ایجانب

بک چلا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

حضرت اندر نے بھی چھکا چھی برسائی۔ دو ہفتہ سے ہو رہی تھی۔ مگر دسویں جولائی کو دل کھول کر بارش ہوئی۔ وہ جو کہتے ہیں سے

کوٹھا گرا اٹاری گری دھرمسیل بچا

ایجانب بھی اپنے کتبہ ... دفتر کو بھیجے کھائے گرتے پڑتے بچتے اور کیسے پھسلتے۔ اندھوں کی طرح لاٹھی ٹیکتے گرتے بچتے راستہ کے گھروں کی دیوار یا چھتوں کو بچاتے چل کھڑے ہوئے۔ اور امن و عافیت کی کوٹھری یعنی اپنے دفتر میں آن بیٹھے اور لگے مضمون گانٹھنے۔ ہماری بلا سے ... گھر دل پر بیتی بچا ... ہو یا سلامت رہے دن بھر ... کوئی ... کا مصداق ہو یا مردہ رخانہ گا۔ ایجانب علیہ الرحمہ کو اس سے کیا غرض سایا تو اس پر عمل کر رہے ہیں سے

مجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اگلے زمانے کے پرانے دنیا ناز کی کھوسٹ زمانے کی گردش اور دنیا کے الجھیڑوں سے اور فاسکران کی چیں چیں سے تنگ و بجنگ آکر گورستان کے دروازہ کو امن و عافیت کا دروازہ اور لحد کو گوشۂ تنہا آرام و چین سمجھتے تھے۔ اور موت نہیں آتی تھی۔ تو ناچار بیچارے خودکشی پر زندگی کو ترجیح دیتے تھے اور سچ بھی ہے۔ کہ آدمی کو مرتے ہی موت مرتے ہی آفات ارضی اور بلیات سماوی سے نجات ہو جاتی ہے۔ مصیبت کی زندگی چھوڑنے کے لئے یہی ایک ... دربوں طریقہ چھٹکارہ کا تھا مگر اس آفت خیز قہر کی زمانہ میں جہاں قحط و گرانی۔ طاعون اور ہیضہ وغیرہ وبائی امراض بھی موجود ہیں دنیا روشنی زمانوں میں مرنے کے لئے طرح طرح کے حیلہ بہانہ ڈھونڈے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہر حیلہ رزق اور ہر بہانہ موت جان۔ یہ کی غرض سے پنجابیوں نے عجیب شکاریاں اور دغا بازیاں شروع کیں۔ بنگالیوں نے سودیشی بائیکاٹ سے گذر کر بم بھادیو کر کے بم کے گولے اور ڈائنامیٹ کے جھوٹے فال مارے۔ گویا فرشتۂ اجل کو بلانا شروع کر دیا۔ جان پر کھیل کر موت کے منہ میں جا لگے تو نزدیک کھیل ہو گیا۔ بھلا انگریزی عملداری میں ان کی یہ چالاکی کیونکر قابل گرفت اور باز پرس نہ ہوتی۔ تاڑ ہار نیچے پڑ گئے۔ اور کھوج نکال ہی لیا۔ ہزار انہوں نے دھوکا دیا۔ اور دھوکا بھی کہ قانون تک چوک جائے۔ مگر عدالت کے قربان جایئے کر لئے بہانہ موت کو تاڑ ہی گئی۔ صرف ایک ہی کی پھانسی دے بے پھانسی کرکے قید حیات میں رہنے پر بس بندھوگی تاکہ ان کی وہ مراد جو کہ موت پر مرے ہوئی ہے۔ حاصل نہ ہو اور انکی روح کرہ آسمانی سے پرے پار پہونچ کر عالم برزخ کی خوش فعلیوں میں دل نہ بہلا سکے۔ اور ان کو ایسی سنگین کوٹھریوں میں بند کرنا شروع کر دیا۔ کہ باہر کی ہوا تو در ہوا کسی فرشتہ جان کا بھی گذر نہ ہو۔ عمر بھر زندگی کی بلاؤں میں غلطاں و پیچاں بھی رہیں۔ اس کے علاوہ عزیز و احباب کے صدمہ جدائی سے ہلکان ہوتے رہیں۔ عزیز و احباب بھی انکے فراق میں زندگی بھر آنسو بہاتے رہیں۔ کیونکہ مرنے والے کو دو دن رو دیں۔ اور انکو سو دن۔ ان زندہ درگوروں کا ہر روز اور ہر تیر تہوار کو قلق رہے گا۔ اور سنگین کوٹھری اسلئے رکھی۔ کہ کوئی سرنگ لگا کر اڑنچھو نہ کر لے۔ حضرت ان بنگالی جیالیوں کی اجل کو ٹال مٹول کر دینا دور اندیش عدالت ہی کا کام ہے۔ مگر ان نہایت مشکل سے عدالت کو دھوکا دے کر اپنے منہ موت مانگنے میں کسر نہ کی۔ کرتے عالم کی سیر کی تمنا میں ہزار میرا نام نہ بتا کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے ہی رہے۔ اور پلنتے رہے۔ اور تمام مجرموں کو ہر ایک اپنا ہی کرتوت بتا رہا۔ ڈرانے دھمکانے سے بھی تو کان پر جوں نہ چلی۔ ہمارے خیال میں کہیں ایسے بے تکے فضول و بیہودہ افعال سے نیک نیت اور قومی ہمدردی کا ظہور ہوتا ہے سے

این رہ کہ تو میروی بترکستانست

(ایڈیٹر)

یاران ہم قالب

ایک نئی نویلی جورو کا خط تعلیم یافتہ شوہر کے نام

محرم راز نہانی زندہ رہو۔ تم کو میرا گھر چھوڑے ہوئے گو زیادہ مدت نہیں گزری۔ بلکہ صرف دو ماہ۔ مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ میں تمہارے دیکھنے کے لئے انتظار کی آنکھ۔ اشتیاق کا دیدہ اور شوق کا پہلو کھولے ہوئے دروازہ کی آہٹ زنجیر کی آواز۔ بوٹ کی چرچراہٹ دیکھا ہی کرتی ہوں۔ مجھے اسکی تو اطلاع ہے کہ تم کالج میں ہو۔ مگر مجھے تعجب ہے۔ کہ تم کیوں آجکل سوئے ہوئے ہو کہ اپنے آموختہ کی طرح بھی مجھے یاد نہیں رکھ سکے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئیے۔ کہ کسی کند ذہن طالبعلم کیطرح اسے بھولے۔ کہ کچھ یاد ہی نہیں آتا ہے۔ میں تسلیم کرتی ہوں۔ کہ کالج کی قواعد سے تم کو کالج سے جلد جلد رخصت نہیں مل سکتی۔ مگر کالج خط و کتابت کی روک ٹوک نہیں کر سکتا۔ اور اگر خط و کتابت کی بابت کچھ روک ٹوک ہے۔ تو چھوڑ دو ایسے کالج کو۔

داڑھی منڈواؤ میں باز آئی خدا کے نور سے

اور اگر تم کو یہ عذر رنگ پیدا ہو کہ مجھے فرصت نہیں ہوتی۔ کہ میں خط لکھ سکوں تو بالکل غلط ہے۔ کیا تمہے کہ ایک خط لکھنے میں دیر ہی کس قدر ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ۲۰ منٹ۔ بہرحال رات کو سونے کی تم کو فرصت ہوتی ہی ہوگی۔ اگر تمہارا دل چاہتا۔ تو اس وقت کوئی بھی مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بھی نہ کہ تمہارے مقررہ سونے کے وقت میں ۲۰ منٹ گھٹ جاتے۔ اور صرف ایک دن جو کچھ حیرت کا مقام نہیں ہے۔ کیونکہ تم یہاں اکثر رات رات بھر نہیں سوتے ہو۔

ہاں اگر تمہارے خیال میں کوئی فلسفیانہ مسئلہ آیا ہے۔ کہ ... ت ہیں۔ جو مذہب کی مضبوط اور مستحکم

زنجیر سے جکڑ بند ہو چکا ہے۔ اعتدال سے زیادہ محبت اور الفت کے مراسم بڑھانا خلاف ہے۔ تو میں تم کو سمجھائے دیتی ہوں۔ کہ ایسے لایعنی خیال کو اپنے دماغ سے نکال کے پھینک دو۔

یہ امر شاید کچھ حد تک صحیح تسلیم ہو چکا ہے۔ کہ دنیا کی تمام چیزوں میں اعتدال اور پرہیز ایک ضروری چیز ہے۔ مگر ایسے تعلقات میں جو مجھ میں اور تم میں ہیں نہ کسی اعتدال کی حاجت نہ پرہیز کی ضرورت ہے۔ نہ دنیا کا کوئی اصول موضوعہ اسکے خلاف کوئی شکل پیدا کر سکتا ہے۔ نہ کوئی نتیجہ بتلا سکتا ہے۔

یوں تو تم مجھ سے علم میں۔ عقل میں۔ قابلیت میں۔ عمر میں۔ قد میں ہر طرح اچھے ہو۔ اور کچھ مرد ہو۔ مگر زن و شوہ کے تعلقات میں جس قدر دیکھنے کی ضرورت ... ہے۔ وہ حقیقت میں ابتدائی کا زمانہ ہوتا ہے۔ نہ کہ انتہائی حالت۔ ابتدائی تھوڑی تھوڑی اور خفیف باتیں دلوں میں رہ رہ کر ناسور اور بڑے بڑے زخم ڈال دیتی ہیں۔

جن کا اندمال نہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ جراح اور نہ بڑے سے بڑا ڈاکٹر کر سکتا ہے۔ اس کے سوا خدا جانے کیا کچھ خراب اور بدتر نتیجے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو نہ تمہارے دماغ میں آسکتے ہیں نہ تم لا سکتے ہو۔ کیونکہ ابھی تو تم پڑھ رہے ہو۔ بلکہ پڑھ دیکھی چکے ہو اور اگر پڑھ بھی چکے ہوتے۔ تو بھی کڑھنا باقی ہے جس کی ضرورت موجودہ صدی میں پڑھنے سے بہت زیادہ ہے۔

مجھے امید ہے کہ جواب خط دے کر میرے اضطراب۔ انتشار۔ اور ترددات کے دفع کرنے میں ساعی ہوگے۔

تمہاری جان نثار۔ شوکت بیگم

نقلدہ حضرت رفیع الخیال

مسٹر ایڈیٹر۔ تسلیم۔ ایک غزل روانہ کرتا ہوں۔ طرز تو ذرا پرانا ہے اگر پسند خاطر ہو تو اپنے ضمیمہ افضل الاخبار میں درج کر دیں۔ زمانہ ماضی میں آپ سے شرف ملاقات حاصل نہ تھا۔ لیکن حال میں اس کی سلسلہ جنبانی کی جاتی ہے۔ اور مستقبل میں

اسی صیغہ سے جاری رکھنے کا ارادہ ہے۔ کہیے آگیا نا سارا آملہ حافظہ۔

غزل

کرتا ہے وار ہم پر قاتل سنبھل سنبھل کر — چھرے لگا رہا ہے پہلو بدل بدل کر

مجھ جیسے ناتواں کا کب تاب ہے گزر ہو — ممکن ہے دل ہی ہو جو آئے سنبھل سنبھل کر

وہ شوخ وصل میں بھی فطرتاً مچلتا — آغوش میں تو آیا لیکن مچل مچل کر

ارمان سب کے سینے میں ہی مچل کی شب — وہ لاکھ مجھ سے مچلے پہلو بدل بدل کر

کیا آتے آتے اٹھے وہ پھر گئے ہیں گھر کو — کیوں تو بگڑ رہا ہے اے دل بہل بہل کر

فرقت میں میری آہیں لگو جلا رہی ہیں — سیلاب غم ان کو جلا رہی آنسو نکل نکل کر

دیں محو دید جاناں نظریں حیا کی دیکھو

سیماب [illegible] میں رخ سے پھسل پھسل کر

ساحر سہیل کاویر

بھوا ؤ ہوا خواہوں کو تکل پہ خط شوق

اتنا بھی مریجان اوڑانا نہیں اچھا

بالشق ماہد دلست تو پہلے ہی سے اس خدائی خوار گدھے سوار فرقہ ناہنجار العلوانتان والسواحیات المحبة والتوانیکات کے طور اور طریق سے واقف اور ماہر تھے مگر بے مطلب و غرض یہ کبھی کا ہے کو انگلی لگنے کا موقع دیتا ہے۔ چنانچہ

الحمد اللہ فتنہ سامانی مری — عین دانائی ہے نادانی مری

کے مصداق اپنے کو اس نابکار فرقہ سے اسکان بھر بچائے رکھتے ہیں اور بچتے رہتے ہیں۔ اسی سبب عافیت کے ساتھ بیکسی و دو گوشی روز سر شام کو ٹھوں کوٹھوں نظر آتے ہیں۔ اور گیارہ بجے سے پہلے پہلے اسی اپنے چھوٹے سے کمرے کے صحن کے آگے کے متصل کے نزدیک ٹوٹی سی چارپائی پر سر لپیٹے منہ ڈھانپے ہوئے دل ہی دل میں گزری ہوئی ایام کہانی دوہراتے عالم۔ ویسے کو نجوں کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو بی لالی جان بدایوں کے انگنے میں آگر بڑھا سرکو رخ کھڑ بند خیر باد کہہ بنا پڑتا۔ کیونکہ اس کو گذرا ایسا ہوا جو بن کچھ ایسا نہ تھا کہ جیسے کوئی اہل دل دیکھے۔ اور کچھ سے دانگانے اس کی آہ سے

چشم آنکھیں ہے دیکھ کر نرگس سے سنبھلا بھی شرما جائے۔ کچھ ایسی نہ تھیں۔ کوئی اہل چشم دیکھے۔ اور کچھ بھی سوا رخ نہ جوا سکے دے ہرگز نہیں۔ اسی وجہ سے ایک تو آموز تماشبین کی جان چرا بیٹی اور ہر عدالت عشق میں مقدمہ پیش ہونے کی نوبت بھی نہ آئی یعنی کہ ہم چکا چشتی ہی مصالحت قتل کرنے سے پہلے از خود رفتہ ہو گیا۔ اور پھب کہنے لگا ہے

ہائے ظالم یہ کیا کیا تو نے

مار کر مجھ کو کیا لیا تو نے

یہ حالت ہوتی دیکھ کر وکلا کی بن آئی۔ قبل از معاملہ بہت پھیری کرنی شروع کر دی۔ آخر تو آموز بیچارے آفت کے مارے نے کبھی کا ہے کو یہ موقع دیکھا تھا۔ لگے کہنے۔

ابھی ہم باز آئے دل کے لگانے سے

معاف کیجے۔ دو چار سے بھی بنی۔ غرضکہ دو چار کی ہی مار کے مارے ایک کنارے نظر آگئے۔

مترجمہ بیان شہزادی اذکو سی کلان

کریما

(سلسلہ کے لئے ۲۶ ستمبر ۱۹۲۵ء ملاحظہ فرمائیے)

در صفت عدل

چو ایزد ترا این ہمہ کام داد — تو کر اپنے بخشی کم و بیش کو یاد

چو عدل است پیرایۂ خسروی — ستاتا دل نہ عاشق کا اپنے کبھی

ترا مملکت پائیداری کند — اگر کر دکھائے وہ پائیداری کند

چو نوشیرواں عدل کن اختیار — پھر اک دل سے کرنے لگے جگو پیار

ز تاثیر عدل است آرام ملک — ز تاثیر بیداد بد نام ملک

جہاں را بانصاف آباد دار — سبھی کو دے جا تو تقدوا دار

جہاں را بانصاف عدل سمارتیست — بد و برباد رنج و درد کار نیست

ترا زیں بآخر چہ حاصل بود — کر سوچے تو لا کے گھر رنج و

اگر خواہی از نیکبختی نشان — درِ ظلم پر ڈانٹ لگوائے جان

رعایت مدارنغ از رعیت مدار — لگا دو رہے عاشقو نگا بزار

در مذمت ظلم

خرابی ز بیداد [illegible] — [illegible]

مرد رخصت ظلم در ہیچ حال سب ہے تاکہ جور کی نظر میں پامال
کسے کاتش ظلم زد در جہاں ہو شہر در وران کو ست نشاں
شکستش گرآید برآورد دل پھر میں جھینگے لعبان جنگل
یکن بر ضعیفان بیچارہ زور نہیں ہیں ترسے بلیجے یہ بسرور
بآزار مظلوم مائل مباش کہیں راز تہ خانہ ہو جائیگا فاش
مکن مردم آزاری ای تندرائے اگر دل کے موذی ہے یہ عاشق بنایا گیا
ستم بر ضعیفان مسکین مکن کہ ایسا نہ ہو تجھ میں گھما گہن

در صفت قناعت

دلا گر قناعت بدست آوری تو ہو دانا کل کسی سے باکل ہی
اگر بنگدستی ز سختی منال پسر میٹھا ڈاڑھی سی جو نیں کال
ندارد خردمند از فقر عار گدائی کے بخوڑے گیا گپ کہ کار
غنی را زر و سیم آرایش است مگر فاقہ مستی ہیں فقرا میں مست
غمی گر نباشد مکن اضطراب جو غنی سے جل کھٹکے ہو جا کباب
قناعت بہر حال اولے تر است چہ پرواست۔ سوکھے اگر یا د دست
ز نور قناعت برافروز جاں چراغ تو شستہ بہ ٹھنڈ گر ان

(باقی آئندہ)

نقلہ سیکل دہلوی

گلچھرے

نواب صاحب۔ ایک تابعدار کے لڑکے سے:۔

بچے تو نے شب گزشتہ کو کیا کھایا؟

لڑکا۔ حضور مرغ کا گوشت پکا تھا۔ اماجان نے کھلایا تھا۔

بچے تیری اماں تو سوتیلی ہے۔ تجھے مانتی بھی کب ہے۔ پھر اس نے مرغ کا گوشت کیونکر دیا۔

نہیں حضور میری اماجان بڑی ایماندار ہے۔ اس نے ایک ٹانگ مجھے دی تھی۔ اور ایک ٹانگ اباجان کو۔

ایک خدمتگار نے اپنے مالک سے کہا۔ کہ حضور میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے۔ آپ نے دریافت کیا کون سا؟ اس نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے۔ کہ جیسے حضور شہد میں گرے ہیں اور میں نابدان میں گرا ہوں۔ نواب صاحب اس پر از حد خوش ہوئے۔ اور پوچھا کہ کچھ اور بھی دیکھا۔ خدمتگار نے کہا جی ہاں۔ بعد ازاں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ حضور کو میں چاٹ رہا ہوں۔ اور حضور مجھے چاٹ رہے ہیں۔ قہ۔ قہ۔ قہ۔ ایسے داد سے کیوں نہ ہو۔

نائی (ایک صوفی سے) حضور آج فلاں شخص کے ہاں عرس کی نوید دیتا ہوں۔

صوفی صاحب۔ اماں۔ نائی کچھ گانا وانا بھی ہوگا۔ یا خشک ہی خشک ہے؟

نائی۔ ہاں حضور گانا بھی [illegible] چند گویوں کی تعداد زیادہ ہے۔

صوفی صاحب۔ گانے کا نام ہی سنکر۔ ایک حال کی آواز دوسرے کنگال صاحب او نہیں ہے۔ حضرت آپ نے نعرہ کیوں مارا۔ کیا مجلس سماع کا حال تو نہیں سنا ہے۔؟

صوفی صاحب۔ جی ہاں گانا ہونے والا ہے۔

کنگال صاحب۔ توند پر ہاتھ پھیر کر:۔ ہا ہا ہا ہا

نام قوال کا سن سکے تو نعرہ مارا   دیکھئے مجلس رندان میں کیا کرتے ہیں
شیخ جی تم کو مبارک رہے یہ زور فتور   ہم تو اس فعل پہ لاحول پڑھا کرتے ہیں

ایک صاحب اپنے لڑکے کو کسی قصور کی وجہ سے زد و کوب کر رہے۔ جب خوب مار چکے۔ تو لڑکے کے ماسٹر جی نے کہا۔ کہ حضور لڑکوں کو اس قدر مارنا نہیں چاہئے۔ لڑکے کے والد بزرگوار نے جواب دیا کہ ماسٹر صاحب آپ نے ابھی ہی کیا دیکھا ہے۔ ابھی حضرت ان کی اماجان تو انہیں ٹھنگ دیتی ہیں۔ قہ۔ قہ۔ قہ۔ اے واہ بھئی

کنواری سن رسیدہ لڑکیوں کے لئے روز سعید دکھا ہے کہ جس نے یاد دکھا ئیں۔ ہمارے مہذب تعلیم یافتہ انڈین کے عقل کے قربان جائیے کہ کہیں تو سلو بیرنگ کا دستور ہے اور کہیں پر کہ لڑکیاں ۲۰ سے ۲۵ سال کی ہی ہو جائیں۔ تاہم سن کس نے پرسد کہ بھئی کیسی۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ اگر لڑکیاں زیور شرافت سے آراستہ ہیں تو خیر ورنہ اگر جی ریشمی کی طرح شانی ہیں تو لب بہ لب سینہ بسینہ جیسے ڈاکٹری سند ملی